لغات و اعراب قرآن (۲۳)

پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۱۸)

آیات ۲۳، ۲۴

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ا کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

اہلِ علم سے گزارش ہے کہ اگر ان کو مندرجہ بالا طریقِ قطعہ بندی برائے حوالہ میں از روئے استعمال کوئی دِقت یا خرابی نظر آتی ہے تو وہ ہمیں اس کے لیے کوئی متبادل طریقِ حوالہ تجویز فرمائیں۔ جس میں کتاب کے مذکورہ بالا مباحثِ اربعہ کو بھی ملحوظ رکھا جا سکے۔

© rasailojaraid.com

سے کیا جاتا ہے جیسے " اِنِ الکافِرُونَ اِلاَّ فی غرورٍ " (نہیں ہیں کافر مگر دھوکے میں) بامحاورہ ترجمہ کے لیے ایسی صورت میں اس کا ترجمہ " صرف " یا " محض " کے ساتھ مثبت جملے کی صورت میں بھی کیا جا سکتا ہے مثلاً (کافر محض دھوکے میں ہیں)

③ اِنْ مخفّفہ : یہ دراصل " اِنَّ " ہی ہوتا ہے اس کا ترجمہ بھی وہی " بے شک " یا " یقیناً " ہی کیا جاتا ہے البتہ اس کا حرف مشبہ بالفعل والا عمل (اسم کو نصب اور خبر کو رفع دینا) عموماً ختم ہو جاتا ہے ۔ اس کی خبر پہ " لام " (لَ) لگتا ہے جو دراصل " اِنَّ " کے اسم یا خبر پہ آنے والا " لام مزحلقہ " ہی ہوتا ہے مگر " اِنْ " مخففہ کی صورت میں نحوی اسے " لام فارقہ " کہتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعے ہی " اِنْ " مخففہ کو اِنْ شرطیہ یا اِنْ نافیہ سے الگ پہچانا جاتا ہے ۔

④ کبھی اِنْ شرطیہ کو لائے نافیہ کے ساتھ ملا کر لکھ دیتے ہیں یعنی " اِنْ لا " کو " اِلاَّ " کی طرح لکھتے ہیں ۔ اس وقت اس کی " اِلاَّ استثنائیہ " سے تمیز ضروری ہے ۔ اور اس کا ترجمہ " اگر نہ " سے کیا جاتا ہے " اِنْ لا " کی یہ صورت (اِلاَّ) قرآن کریم میں متعدد جگہ ہمارے سامنے آئے گی ۔

⑤ کبھی " اِنْ زائدہ " ہوتا ہے اور یہ عموماً " ما " (نافیہ، موصولہ اور مصدریہ) یا " اَلاَ (استفتاحیہ) " کے بعد آتا ہے ۔ اس کا کوئی الگ ترجمہ نہیں کیا جا سکتا البتہ اس سے معنوں میں تاکید اور زور کا پہلو پیدا ہو جاتا ہے ۔ اس قسم کے " اِنْ " (زائدہ) کا قرآن میں غالباً استعمال نہیں آیا البتہ عربی اشعار میں یہ آتا ہے ۔ اس لیے نحو کی کتابوں میں اس کی مثالیں بھی اشعار سے ہی دی جاتی ہیں ۔

● " اِنْ " کی مندرجہ بالا مختلف صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ " اِنْ " کا اردو ترجمہ حسبِ موقع " اگر " ، " نہیں " اور " بے شک " سے کیا جا سکتا ہے ۔

[**كُنْتُمْ**] کا مادہ " ک و ن " اور وزن اصلی " فَعَلْتُمْ " ہے ۔ اس کی اصلی شکل تو " کَوَنْتُمْ " تھی ـــ عرب لوگ بولتے وقت اجوف (واوی یا یائی) کے ماضی کے ایسے (لام کلمہ ساکن ہونے والے) تمام صیغوں میں " واؤ "

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.c

سے کیا جاتا ہے جیسے " اِنِ الکافِرُونَ اِلاّ فی غرورٍ " (نہیں ہیں کافر مگر دھوکے میں) بامحاورہ ترجمہ کے لیے ایسی صورت میں اس کا ترجمہ " صرف " یا " محض " کے ساتھ مثبت جملے کی صورت میں بھی کیا جا سکتا ہے مثلاً (کافر محض دھوکے میں ہیں)

③ اِنْ مخفّفہ : یہ دراصل " اِنَّ " ہی ہوتا ہے اس کا ترجمہ بھی وہی " بے شک " یا " یقیناً " ہی کیا جاتا ہے البتہ اس کا حرف مشبہ بالفعل والا عمل (اسم کو نصب اور خبر کو رفع دینا) عموماً ختم ہو جاتا ہے ۔ اس کی خبر پر " لام " (لَ) لگتا ہے جو دراصل " اِنَّ " کے اسم یا خبر پر آنے والا " لام مزحلقہ " ہی ہوتا ہے مگر " اِنْ " مخففہ کی صورت میں نحوی اسے " لام فارقہ " کہتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعے ہی " اِنْ " مخففہ کو اِنْ شرطیہ یا اِنْ نافیہ سے الگ پہچانا جاتا ہے ۔

④ کبھی اِنْ شرطیہ کو لائے نافیہ کے ساتھ ملا کر لکھ دیتے ہیں یعنی " اِنْ لا " کو " اِلاّ " کی طرح لکھتے ہیں ۔ اس وقت اس کی " اِلاّ استثنائیہ " سے تمیز ضروری ہے ۔ اور اس کا ترجمہ " اگر نہ " سے کیا جاتا ہے ۔ " اِنْ لا " کی یہ صورت (اِلاّ) قرآن کریم میں متعدد جگہ ہمارے سامنے آئے گی ۔

⑤ کبھی " اِنْ زائدہ " ہوتا ہے اور یہ عموماً " ما " (نافیہ ، موصولہ اور مصدریہ) یا " اَلاَ (استفتاحیہ) " کے بعد آتا ہے ۔ اس کا کوئی الگ ترجمہ نہیں کیا جا سکتا البتہ اس سے معنوں میں تاکید اور زور کا پہلو پیدا ہو جاتا ہے ۔ اس قسم کے " اِنْ " (زائدہ) کا قرآن میں غالباً استعمال نہیں آیا البتہ عربی اشعار میں یہ آتا ہے ۔ اس لیے نحو کی کتابوں میں اس کی مثالیں بھی اشعار سے ہی دی جاتی ہیں ۔

● " اِنْ " کی مندرجہ بالا مختلف صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ " اِنْ " کا اردو ترجمہ حسبِ موقع " اگر " ، " نہیں " اور " بے شک " سے کیا جا سکتا ہے ۔

[**کُنْتُمْ**] کا مادہ " ک و ن " اور وزن اصلی " فَعَلْتُمْ " ہے ۔ اس کی اصلی شکل تو " کَوَنْتُمْ " تھی ــــ عرب لوگ بولتے وقت اجوف (واوی یا یائی) ماضی کے لیے (لام کلمہ ساکن ہونے والے) تمام صیغوں میں " واو "

© rasailojaraid.com

"مِمَّا" اور اس (زیرِ مطالعہ) "مِمَّا" کے معنوں میں فرق کو ذہن میں رکھیے۔

۲:۱۷:۱ (۲) [نَزَّلْنَا] کا مادہ "ن ز ل" اور وزن "فَعَّلْنَا" ہے۔
یعنی اس مادہ سے باب تفعیل کا فعل ماضی صیغہ جمع متکلم ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد — نزَل ینزِل نزولاً — کے معنی وغیرہ پر البقرہ: ۴ یعنی ۲:۳:۱(۲) میں بات ہو چکی ہے۔ اس مادہ (نزل) سے باب تفعیل کے فعل "نَزَّل..... یُنَزِّلُ تنزیلاً" کے معنی "...... کو اتارنا، .... کو نازل کرنا" ہیں یہ فعل ہمیشہ متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے۔ البتہ بعض دفعہ اس کا مفعول (یعنی جو چیز اتاری جائے) مذکور نہیں ہوتا۔ البتہ دوسرا مفعول (جس کی طرف کوئی چیز اتاری جائے) اگر مذکور ہو تو وہ "علی" یا "الی" کے صلہ کے ساتھ مذکور ہوتا ہے۔

بعض اصحاب لغت[1] کے نزدیک "تنزیل" (مصدر تفعیل) میں "بتدریج اور کئی بار، یکے بعد دیگرے" اتارنے کا مفہوم ہوتا ہے جب کہ "اِنْزَال" (مصدر اِفْعَال) اس سے زیادہ عام ہے یعنی اس میں کسی بھی طریقے پر اتارنا مراد ہو سکتا ہے۔ تدریجی ہو یا غیر تدریجی۔ ایک ہی بار ہو یا کئی بار۔

۲:۱۷:۱ (۳) [عَلٰی عَبْدِنَا] "عَلٰی" کے معنی و استعمال پر اس سے پہلے الفاتحہ: ۷ یعنی ۱:۶:۱(۳) میں بات ہو چکی ہے۔ جو یہاں "پر" یا "کے اوپر" کے معنی میں آیا ہے۔

● "عبدنا" میں آخری "نا" تو ضمیر مجرور متصل بمعنی "ہمارا" ہے اور "عَبْدُ" (جو یہاں مجرور بھی ہے اور مضاف بھی۔ اور اس لیے بصورتِ "عَبْدِ" آیا ہے) کا مادہ "ع ب د" اور وزن "فَعْلٌ" ہے — اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد — عَبَدَ یعبُد عبادۃً — کے باب اور معنی وغیرہ پر الفاتحہ: ۵ یعنی ۱:۴:۱(۲) میں بات ہو چکی ہے۔

---

[1] مثلاً راغب۔ دیکھئے مفردات

© rasailojaraid.com

"مِمَّا" اور اس (زیرِ مطالعہ) "مِمَّا" کے معنوں میں فرق کو ذہن میں رکھیے۔

۲ : ۱۷ : ۱ (۲) [نَزَّلْنَا] کا مادہ "ن ز ل" اور وزن "فَعَّلْنَا" ہے۔ یعنی اس مادہ سے باب تفعیل کا فعل ماضی صیغہ جمع متکلم ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد ـــ نَزَلَ ینزِلُ نزولاً ـــ کے معنی وغیرہ پر البقرہ : ۴ یعنی ۲ : ۳ : ۱ (۲) میں بات ہو چکی ہے۔ اس مادہ (نزل) سے باب تفعیل کے فعل "نَزَّلَ..... یُنَزِّلُ تنزیلاً" کے معنی "...... کو اتارنا، ...... کو نازل کرنا" ہیں یہ فعل ہمیشہ متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے۔ البتہ بعض دفعہ اس کا مفعول (یعنی جو چیز اتاری جائے) مذکور نہیں ہوتا۔ البتہ دوسرا مفعول (جس کی طرف کوئی چیز اتاری جائے) اگر مذکور ہو تو وہ "علی" یا "الی" کے صلہ کے ساتھ مذکور ہوتا ہے۔

بعض اصحاب لغت[1] کے نزدیک "تنزیل" (مصدر تفعیل) میں "بتدریج اور کئی بار، یکے بعد دیگرے" اتارنے کا مفہوم ہوتا ہے جب کہ "اِنْزَال" (مصدر اِفعال) اس سے زیادہ عام ہے یعنی اس میں کسی بھی طریقے پر اتارنا مراد ہو سکتا ہے۔ تدریجی ہو یا غیر تدریجی۔ ایک ہی بار ہو یا کئی بار۔

۲ : ۱۷ : ۱ (۳) [عَلٰی عَبْدِنَا] "عَلٰی" کے معنی و استعمال پر اس سے پہلے الفاتحہ : ۷ یعنی ۱ : ۶ : ۱ (۳) میں بات ہو چکی ہے۔ جو یہاں "پر" یا "کے اوپر" کے معنی میں آیا ہے۔

● "عبدنا" میں آخری "نا" تو ضمیر مجرور متصل بمعنی "ہمارا" ہے اور "عَبْدٌ" (جو یہاں مجرور بھی ہے اور مضاف بھی۔ اور اس لیے بصورتِ "عَبْدِ" آیا ہے) کا مادہ "ع ب د" اور وزن "فَعْلٌ" ہے ـــ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد ـــ عَبَدَ یعبُدُ عبادۃً ـــ کے باب اور معنی وغیرہ پر الفاتحہ : ۵ یعنی ۱ : ۴ : ۱ (۲) میں بات ہو چکی ہے۔

---

[1] مثلاً راغب ـ دیکھیے مفردات

© rasailojaraid.com

" فَأْتُوابِ.... " بھی دراصل تین کلمات یعنی " فَ + اِئْتُوا + بِ " کا مرکب ہے۔ اس کی ابتدائی فاء (فَ) تو حرف عطف بمعنیٰ " پس " یا " تو پھر " ہے۔ اور آخری باء (بِ) فعل کا صلہ ہے جو اس کے معنی متعین کرتا ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہو گا۔

● فعل " اِئْتُوا " کا مادہ " أ ت ی " اور وزن اصلی " اِفْعِلُوا " ہے۔ یعنی یہ فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ اس کی اصلی شکل " اِئْتِيُوا " تھی۔ جس میں واو الجمع سے ماقبل والی یاء (ی) جو لام کلمہ ہے ساقط کر دی جاتی ہے۔ اور اس سے ماقبل کے عین کلمہ کو (جو یہاں " ت " ہے) مکسور (تِ) ہونے کی بنا پر ضمہ (ــُـ) دے دیا جاتا ہے۔ (اگر عین کلمہ مفتوح یا مضموم ہو تو وہ ضمہ (ــُـ) یا فتحہ (ــَـ) برقرار رہتا ہے) ــــــ اور شروع کا " اِءْ " یا " اِئْـ " مہموز کے قاعدہ تخفیف کی بناء پر اب " اِیْ " میں بدل جاتا ہے (دو ہمزوں کے جمع ہونے کی بنا پر جن میں پہلا مکسور اور دوسرا ساکن ہے)۔ تاہم چونکہ اس (اِئْتُ = اِیْتِ) کا پہلا ہمزہ ہمزۃ الوصل اور دوسرا (اصل مادہ کا) ہمزۃ القطع ہے (جو ضرورتاً " ی " میں بدل دیا گیا ہے۔ اس لیے جب اس (اِئْتُ یا اِئْتِ) سے پہلے " واو " یا " فاء " عاطفہ آجائے تو یہ " ی " میں بدل جانے والا ہمزہ ساکنہ (تلفظ میں) دوبارہ لوٹ آتا ہے مگر اب اس کے شروع والا ہمزۃ الوصل تلفظ بلکہ کتابت میں بھی گرا دیا جاتا ہے ــــ البتہ اگر " فَ " یا " وَ " کی بجائے کسی اور حرف (عطف) سے ملائیں تو یہ ہمزۃ الوصل لکھنے میں برقرار رہتا ہے (اگرچہ پڑھنے میں نہیں آتا) جیسے " ثُمَّ ائْتُوا " (طٰہٰ : ۶۴) میں ہے۔

● اس مادہ (أ ت ی) سے فعل ثلاثی مجرد " أَتَىٰ يَأْتِي اتيانًا " (باب ضرب سے) آتا ہے اور لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے یعنی اس کے معنی دو ہیں (۱) آنا ــ جو لازم ہے مگر بعض دفعہ " جاء " کی طرح اس کے ساتھ ایک مفعول بھی آجاتا ہے۔ (جیسے " جاءہ " یا " اتاہ " میں) اس وقت اس کا ترجمہ "...... کے پاس آنا " ہوتا ہے (۲) .... (کوئی کام) .... کرنا ۔ یعنی بطور متعدی آتا ہے۔

© rasailojaraid

"فَأْتُوْا بِ...." بھی دراصل تین کلمات یعنی "فَ + اِئْتُوْا + بِ" کا مرکب ہے۔ اس کی ابتدائی فاء (فَ) تو حرفِ عطف بمعنیٰ "پس" یا "تو پھر" ہے۔ اور آخری باء (بِ) فعل کا صلہ ہے جو اس کے معنی متعین کرتا ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوگا۔

● فعل "اِئْتُوْا" کا مادہ "أ ت ی" اور وزن اصلی "اِفْعِلُوْا" ہے۔ یعنی یہ فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ اس کی اصلی شکل "اِئْتِیُوْا" تھی۔ جس میں واو الجمع سے ماقبل والی یاء (ی) جو لام کلمہ ہے ساقط کر دی جاتی ہے۔ اور اس سے ماقبل کے عین کلمہ کو (جو یہاں "ت" ہے) مکسور (تِ) ہونے کی بنا پر ضمہ (ـُـ) دے دیا جاتا ہے۔ (اگر عین کلمہ مفتوح یا مضموم ہو تو وہ ضمہ (ـُـ) یا فتحہ (ـَـ) برقرار رہتا ہے) ـــــ اور شروع کا "اِءْ" یا "اِئْـ" مہموز کے قاعدۂ تخفیف کی بنا پر اب "اِیْ" میں بدل جاتا ہے (دو ہمزوں کے جمع ہونے کی بنا پر جن میں پہلا مکسور اور دوسرا ساکن ہے)۔ تاہم چونکہ اس (اِئْـ = اِیْـ) کا پہلا ہمزہ ہمزۃ الوصل اور دوسرا (اصل مادہ کا) ہمزۃ القطع ہے (جو ضرورتاً "ی" میں بدل دیا گیا ہے۔ اس لیے جب اس (اِئْـ یا اِیْـ) سے پہلے "واو" یا "فاء" عاطفہ آجائے تو یہ "ی" میں بدل جانے والا ہمزہ ساکنہ (تلفظ میں) دوبارہ لوٹ آتا ہے مگر اب اس کے شروع والا ہمزۃ الوصل تلفظ بلکہ کتابت میں بھی گرا دیا جاتا ہے ـــ البتہ اگر "فَ" یا "وَ" کی بجائے کسی اور حرف (عطف) سے ملائیں تو یہ ہمزۃ الوصل لکھنے میں برقرار رہتا ہے (اگرچہ پڑھنے میں نہیں آتا) جیسے "ثُمَّ ائْتُوْا" (طٰہٰ: ۶۴) میں ہے۔

● اس مادہ (أ ت ی) سے فعل ثلاثی مجرد "أَتٰى يَأْتِي اتيانًا" (باب ضرب سے) آتا ہے اور لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے یعنی اس کے معنی دو ہیں (۱) آنا ـ جو لازم ہے مگر بعض دفعہ "جاء" کی طرح اس کے ساتھ ایک مفعول بھی آجاتا ہے۔ (جیسے "جاءہ" یا "اتاہ" میں) اس وقت اس کا ترجمہ "...... کے پاس آنا" ہوتا ہے ـ (۲) .... (کوئی کام) .... کرنا۔ یعنی بطور متعدی آتا ہے۔

© rasailojaraid

(جون ۱۹۸۹ء نہیں گزرا)۔

"لفظ" سورہ کی لغوی اصل کے بارے میں دو قول ہیں :

۱ : **پہلا قول** : اس کا مادہ "س و ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس کا فعل ثلاثی مجرد سَارَ یَسُوْرُ سَوْرًا (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں : بلند ہونا، دیوار پر چڑھنا"۔ اس مادہ سے ہی باب "تفعّل" کا ایک صیغہ فعل "تَسَوَّرُوا" قرآن کریم میں آیا ہے (ص : ۲۱) ۔ اور اس مادہ سے ہی لفظ "سُوْر" بمعنی شہر کی فصیل (بیرونی حفاظتی دیوار) آتا ہے اور یہ لفظ بھی قرآن کریم میں (الحدید : ۱۳) آیا ہے۔ اس لفظ (سُوْرٌ) کے ایک معنی درجہ اور منزلت بھی ہیں اور عربی زبان میں کامل اور مکمل (بلحاظ عمر و قوت) اونٹنی کو بھی "سُوْرَةٌ" کہتے ہیں۔

۲ ۔ **دوسرا قول** : یہ ہے کہ اس کا مادہ "س ء ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "سَأَرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب فتح سے) اور سَئِرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب سمع سے) آتا ہے ۔ اور ہر دو کے معنی ہیں "باقی بچنا، کچھ حصہ باقی رہ جانا" اور "سُؤْرَةٌ" کے معنی ہیں "بقایا حصہ" یا (صرف) "حصہ" ۔ اور اس میں ہمزہ ساکنہ ماقبل متحرک کو اس حرکت کے موافق حرف (ا، و، ی) کی صورت میں پڑھنا جائز ہے یعنی عرب اس طرح بھی بولتے ہیں اس بناء پر "سُؤْرَةٌ" کو "سُوْرَةٌ" بولنا بھی جائز ہے۔ ویسے یہ مادہ (س ء ر) اور اس سے کوئی فعل قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا۔

اس طرح لفظ "سورۃ" میں رتبہ، درجہ، منزلت، ایک مکمل **وحدت** (UNIT) اور حصہ کے معنی شامل ہیں۔ اھ ۔ اب یہ لفظ اصطلاحاً قرآن کریم کے ایک مقررہ حصے پر بولا جاتا ہے ۔ قرآن کریم میں کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں جن کے نام اور آیتوں کی اندرونی ترتیب سب توقیفی ہے ۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے ۔ لفظ "سورۃ" اپنے ان ہی اصطلاحی معنوں اور اسی صورت کے ساتھ اردو فارسی میں بھی مستعمل ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ یہاں اس کی املاء "سورت"

© rasailojaraid.com

(جون ۱۹۸۹ء نہیں گزرا)۔

"لفظ" سورہ کی لغوی اصل کے بارے میں دو قول ہیں :

۱ : **پہلا قول** : اس کا مادہ "س و ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس کا فعل ثلاثی مجرد سَارَ یَسُوْرُ سَوْرًا (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں : بلند ہونا، دیوار پر چڑھنا"۔ اس مادہ سے ہی باب "تفعّل" کا ایک صیغہ فعل "تَسَوَّرُوْا" قرآن کریم میں آیا ہے (ص : ۲۱)۔ اور اس مادہ سے ہی لفظ "سُوْرٌ" بمعنی شہر کی فصیل (بیرونی حفاظتی دیوار) آتا ہے اور یہ لفظ بھی قرآن کریم میں (الحدید : ۱۳) آیا ہے۔ اس لفظ (سُوْرٌ) کے ایک معنی درجہ اور منزلت بھی ہیں اور عربی زبان میں کامل اور مکمل (بلحاظ عمر و قوت) اونٹنی کو بھی "سُوْرَةٌ" کہتے ہیں۔

۲۔ **دوسرا قول** : یہ ہے کہ اس کا مادہ "س ء ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "سَأَرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب فتح سے) اور سَئِرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب سمع سے) آتا ہے۔ اور ہر دو کے معنی ہیں "باقی بچنا، کچھ حصہ باقی رہ جانا" اور "سُؤْرَةٌ" کے معنی ہیں "بقایا حصہ" یا (صرف) "حصہ"۔ اور اس میں ہمزہ ساکنہ ماقبل متحرک کو اس حرکت کے موافق حرف (ا، و، ی) کی صورت میں پڑھنا جائز ہے یعنی عرب اس طرح بھی بولتے ہیں اس بناء پر "سُؤْرَةٌ" کو "سُوْرَةٌ" بولنا بھی جائز ہے۔ ویسے یہ مادہ (س ء ر) اور اس سے کوئی فعل قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا۔

اس طرح لفظ "سورۃ" میں رتبہ، درجہ، منزلت، ایک مکمل وحدت (UNIT) اور حصہ کے معنی شامل ہیں۔ اھ۔ اب یہ لفظ اصطلاحاً قرآن کریم کے ایک مقررہ حصے پر بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں جن کے نام اور آیتوں کی اندرونی ترتیب سب توقیفی ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے۔ لفظ "سورۃ" اپنے ان ہی اصطلاحی معنوں اور اسی صورت کے ساتھ اردو فارسی میں بھی مستعمل ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ یہاں اس کی املاء "سورت"

© rasailojaraid.com

(جون ۱۹۸۹ء، نہیں گزرا)۔

"لفظ" سورہ کی لغوی اصل کے بارے میں دو قول ہیں :

۱ : **پہلا قول** : اس کا مادہ "س و ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس کا فعل ثلاثی مجرد سَارَ یَسُوْرُ سَوْرًا (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں : بلند ہونا، دیوار پر چڑھنا"۔ اس مادہ سے ہی باب "تفعّل" کا ایک صیغۂ فعل "تَسَوَّرُوا" قرآن کریم میں آیا ہے (ص : ۲۱)۔ اور اس مادہ سے ہی لفظ "سُوْر" بمعنی شہر کی فصیل (بیرونی حفاظتی دیوار) آتا ہے اور یہ لفظ بھی قرآن کریم میں (الحدید : ۱۳) آیا ہے۔ اس لفظ (سُوْرٌ) کے ایک معنی درجہ اور منزلت بھی ہیں اور عربی زبان میں کامل اور مکمل (بلحاظ عمر و قوت) اونٹنی کو بھی "سُوْرَةٌ" کہتے ہیں۔

۲۔ **دوسرا قول** : یہ ہے کہ اس کا مادہ "س ء ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "سَأَرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب فتح سے) اور سَئِرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب سمع سے) آتا ہے۔ اور ہر دو کے معنی ہیں "باقی بچنا، کچھ حصہ باقی رہ جانا" اور "سُؤْرَةٌ" کے معنی ہیں "بقایا حصہ" یا (صرف) "حصہ"۔ اور اس میں ہمزہ ساکنہ ماقبل متحرک کو اس حرکت کے موافق حرف (ا، و، ی) کی صورت میں پڑھنا جائز ہے یعنی عرب اس طرح بھی بولتے ہیں اس بناء پر "سُؤْرَةٌ" کو "سُوْرَةٌ" بولنا بھی جائز ہے۔ ویسے یہ مادہ (س ء ر) اور اس سے کوئی فعل قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا۔

اس طرح لفظ "سورۃ" میں رتبہ، درجہ، منزلت، ایک مکمل **وحدت** (UNIT) اور حصہ کے معنی شامل ہیں۔ اھ۔ اب یہ لفظ اصطلاحاً قرآن کریم کے ایک مقررہ حصے پر بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں جن کے نام اور آیتوں کی اندرونی ترتیب سب توقیفی ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے۔ لفظ "سورۃ" اپنے ان ہی اصطلاحی معنوں اور اسی صورت کے ساتھ [illegible] مستعمل ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ یہاں اس کی املاء "سورت"

© rasailojaraid.com

(جون ۱۹۸۹ء، نہیں گزرا)۔

"لفظ" سورہ کی لغوی اصل کے بارے میں دو قول ہیں:

۱: **پہلا قول**: اس کا مادہ "س و ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس کا فعل ثلاثی مجرد سَارَ یَسُوْرُ سَوْرًا (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں: بلند ہونا، دیوار پر چڑھنا۔ اس مادہ سے ہی باب "تفعّل" کا ایک صیغہٗ فعل "تَسَوَّرُوا" قرآن کریم میں آیا ہے (ص: ۲۱)۔ اور اس مادہ سے ہی لفظ "سُوْر" بمعنی شہر کی فصیل (بیرونی حفاظتی دیوار) آتا ہے اور یہ لفظ بھی قرآن کریم میں (الحدید: ۱۳) آیا ہے۔ اس لفظ (سُوْرٌ) کے ایک معنی درجہ اور منزلت بھی ہیں اور عربی زبان میں کامل اور مکمل (بلحاظ عمر و قوت) اونٹنی کو بھی "سُوْرَةٌ" کہتے ہیں۔

۲۔ **دوسرا قول**: یہ ہے کہ اس کا مادہ "س ء ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "سَأَرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب فتح سے) اور سَئِرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب سمع سے) آتا ہے۔ اور ہر دو کے معنی ہیں "باقی بچنا، کچھ حصہ باقی رہ جانا" اور "سُؤْرَةٌ" کے معنی ہیں "بقایا حصہ" یا (صرف) "حصہ"۔ اور اس میں ہمزہ ساکنہ ماقبل متحرک کو اس حرکت کے موافق حرف (ا، و، ی) کی صورت میں پڑھنا جائز ہے یعنی عرب اس طرح بھی بولتے ہیں اس بناء پر "سُؤْرَةٌ" کو "سُوْرَةٌ" بولنا بھی جائز ہے۔ ویسے یہ مادہ (س ء ر) اور اس سے کوئی فعل قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا۔

اس طرح لفظ "سورۃ" میں رتبہ، درجہ، منزلت، ایک مکمل وحدت (UNIT) اور حصہ کے معنی شامل ہیں۔ اھ۔ اب یہ لفظ اصطلاحاً قرآن کریم کے ایک مقررہ حصے پر بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں جن کے نام اور آیتوں کی اندرونی ترتیب سب توقیفی ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے۔ لفظ "سورۃ" اپنے ان ہی اصطلاحی معنوں اور اسی صورت کے ساتھ اردو زبان میں بھی مستعمل ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ یہاں اس کی املاء "سورت"

© rasailojaraid.com

باعث تلفظ سے ساقط ہو جاتا ہے اگرچہ خطاً (کتابت میں) برقرار رہتا ہے۔

● اس مادہ (دعو) سے فعل ثلاثی مجرد "دعا ..... یدعُو دعاءً وَ دَعْوَۃً وَ دَعْوًی" ــ جو دراصل دعَوَ یَدْعُوُ دُعاوًا تھا ــ (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں "....... کو پکارنا"، ...... سے دعا مانگنا، ...... کو (مدد کے لیے) بلانا"۔ اور اگر مصدر "دعوۃ" ہو ــ یعنی "دَعا دَعْوَۃً"، تو اس کے معنی عموماً "کھانے پر بلانے کے ہوتے ہیں۔ یہ فعل ہمیشہ متعدی استعمال ہوتا ہے اور عموماً مفعول بنفسہٖ کے ساتھ (بغیر صلہ کے) آتا ہے۔ تاہم مختلف صلات (لِ، علی، الی) کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے جس سے اس کے معنی بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس فعل (ثلاثی مجرد) کے، صلہ کے ساتھ اور صلہ کے بغیر، مختلف صیغے ۱۷۰ جگہ وارد ہوئے ہیں۔ اور اس سے مختلف مصادر اور اسماءِ مشتقہ کے چالیس کے قریب الفاظ اور باب افتعال سے بھی اِفْتِعال کے چار صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ ان سب کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲:۱۷:۱ (۸) [**شُهَدَآءَكُمْ**] میں آخری "كُمْ" تو ضمیر مجرور متصل ہے جس کا ترجمہ "تمہارے، اپنے" کے ساتھ ہو گا۔ اور

"شُهَداء" کا مادہ "ش ہ د" اور وزن "فُعَلَاءُ" (غیر منصرف) ہے جو "شَهِیدٌ" بروزن "فَعِیلٌ" کی جمع مکسر ہے۔ اس مادہ (شہد) سے فعل ثلاثی مجرد "شَهِدَ ..... یَشْهَدُ شُهُودًا (باب سَمِعَ سے) بغیر صلہ کے استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں "..... کے موقع پر موجود ہونا"، ...... کا معائنہ کرنا"۔ اور اگر اسی باب (شَہِد یَشْہَد) سے مصدر شہادۃً ہو تو اس کے معنی "گواہی دینا اور بچشم خود دیکھنا" ہوتے ہیں۔ اور کبھی یہ "اقرار کرنا اور جان لینا" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور مختلف صلات (مثلاً لِ، بِ، علی) کے ساتھ اس کے معنی مختلف ہو جاتے ہیں جن میں سے بعض قرآن کریم میں بھی آئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

باعث تلفظ سے ساقط ہو جاتا ہے اگرچہ خطاً (کتابت میں) برقرار رہتا ہے۔

● اس مادہ (دعو) سے فعل ثلاثی مجرد " دعا ..... یدعُو دعاءً وَ دَعْوَةً وَ دَعْوَیً " ۔ جو دراصل دعَوَ یَدْعُوُ دُعاوًا تھا ۔ (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں "...... کو پکارنا، ...... سے دعا مانگنا، ...... کو (مدد کے لیے) بلانا" ۔ اور اگر مصدر " دعوۃ " ہو ۔ یعنی " دَعا دَعْوَۃً " تو اس کے معنی عموماً " کھانے پر بلانے کے ہوتے ہیں ۔ یہ فعل ہمیشہ متعدی استعمال ہوتا ہے اور عموماً مفعول بنفسہٖ کے ساتھ (بغیر صلہ کے) آتا ہے۔ تاہم مختلف صلات (لِ، علی، الی) کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے جس سے اس کے معنی بھی مختلف ہو جاتے ہیں ۔ قرآن کریم میں اس فعل (ثلاثی مجرد) کے، صلہ کے ساتھ اور صلہ کے بغیر، مختلف صیغے ۱۷۰ جگہ وارد ہوئے ہیں ۔ اور اس سے مختلف مصادر اور اسماء مشتقہ کے چالیس کے قریب الفاظ اور باب افتعال سے بھی اَفْعال کے چار صیغے استعمال ہوئے ہیں ۔ ان سب کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲:۱۷:۱ (۸) [شُهَدَآءَکُمْ] میں آخری " کُمْ " تو ضمیر مجرور متصل ہے جس کا ترجمہ " تمہارے، اپنے " کے ساتھ ہو گا ۔ اور

" شہداء " کا مادہ " ش ھ د " اور وزن " فُعَلَاءُ " (غیر منصرف) ہے جو " شَهِيدٌ " بروزن " فَعِيلٌ " کی جمع مکسر ہے ۔ اس مادہ (شہد) سے فعل ثلاثی مجرد " شَهِدَ ..... یَشْهَدُ شُهُودًا (باب سَمِعَ سے) بغیر صلہ کے استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں "...... کے موقع پر موجود ہونا، ...... کا معائنہ کرنا" اور اگر اسی باب (شَهِدَ یَشْهَدُ) سے مصدر شہادۃً ہو تو اس کے معنی " گواہی دینا اور بچشم خود دیکھنا " ہوتے ہیں ۔ اور کبھی یہ " اقرار کرنا اور جان لینا " کے معنی میں بھی آتا ہے ۔ اور مختلف صلات (مثلاً لِ، بِ، علی) کے ساتھ اس کے معنی مختلف ہو جاتے ہیں ۔ جن میں سے بعض قرآن کریم میں بھی آئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

کل ۲۶ دفعہ استعمال ہوا ہے ۔ ان مختلف استعمالات سے حسبِ موقع اس کے معنوں کا تعین کرنے میں بھی مدد ملتی ہے ۔

۱:۲:۷ (۹) [مِنْ دُوْنِ اللّٰـهِ] کے اسم جلالت (اللّٰہ) پر لغوی بحث سورۃ الفاتحہ کے شروع میں ۱:۱:۱ (۲) میں ہو چکی ہے اور " من دون " میں " من " حرف جر ہے جو " من قبل " اور " من بعد " کی طرح لفظ " دون " کے معنی کی وضاحت کرتا ہے ۔

● لفظ " دُوْنَ " جس کا مادہ " د و ن " اور وزن " فُعْلُ " ہے اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " دان یَدُون دُوْنًا " (باب نصر سے) بمعنیٰ گھٹیا یا کمزور ہونا آتا ہے ۔ بلکہ بعض اہل لغت کے نزدیک تو اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد آتا ہی نہیں ہے ۔ اور قرآن کریم میں تو اس مادہ سے کسی قسم کا (مجرد یا مزید فیہ) فعل کہیں استعمال نہیں ہوا ۔

● لفظ " دُوْنٌ " دراصل تو " معرب " ہے اور اس کے بنیادی معنی " کم تر، گھٹیا، ناقص اور حقیر " کے ہیں اور اسی معنی میں یہ اردو فارسی میں بھی مستعمل ہے ۔ جیسے " دنیائے دوں " میں ۔ تاہم قرآن کریم میں یہ لفظ بطور اسم معرب کہیں استعمال نہیں ہوا ___ اس لفظ (دُوْن) کا زیادہ استعمال ظرفیت (حقیقی یا معنوی) کے لیے ہوتا ہے ۔ اور اس کے لیے یہ ہمیشہ منصوب اور مضاف ہو کر (قبل اور بعد کی طرح) استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے " دونَ الجهر (الاعراف : ۲۰۵) ' دُونَ العذابِ (السجدہ : ۲۱) ' دونَ اللّٰـهِ (الصّٰفّٰت : ۸۶) میں ___ اور اس (اضافت والی) صورت میں بیشتر اس سے پہلے " مِنْ " استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے " من دونِ اللّٰـهِ " (آیت زیر مطالعہ میں) ۔ اس اضافت والے استعمال کی صورت میں اس لفظ (دون) کے حسبِ موقع متعدد معنی ہوتے ہیں مثلاً (۱) ...... کے علاوہ ' ...... کے سوا ۔ (۲) ...... کو چھوڑ کر (۳) ...... کے خلاف (۴) ...... کے بغیر (۵) ...... کے مقابلے پر (۶) ...... سے کم تر (۷) ...... کے نیچے (۸) ...... کے ہمراہ (۹) ...... کے سامنے (۱۰) ......

© rasailojaraid

کل ۲۷ دفعہ استعمال ہوا ہے ۔ ان مختلف استعمالات سے حسبِ موقع اس کے معنوں کا تعین کرنے میں بھی مدد ملتی ہے ۔

۲:۱۷:۱:۱(۹) [مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ] کے اسمِ جلالت (اللہ) پر لغوی بحث سورۃ الفاتحہ کے شروع میں ۱:۱:۱:۱(۲) میں ہو چکی ہے اور " من دون " میں " من " حرف جر ہے جو " من قبل " اور " من بعد " کی طرح لفظ " دون " کے معنی کی وضاحت کرتا ہے ۔

● لفظ " دُوْنَ " جس کا مادہ " د و ن " اور وزن " فُعْلٌ " ہے اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " دان یَدُوْن دُوْنًا " (باب نصر سے) بمعنیٰ گھٹیا یا کمزور ہونا آتا ہے ۔ بلکہ بعض اہلِ لغت کے نزدیک تو اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد آتا ہی نہیں ہے ۔ اور قرآن کریم میں تو اس مادہ سے کسی قسم کا (مجرد یا مزید فیہ) فعل کہیں استعمال نہیں ہوا ۔

● لفظ " دُوْنَ " دراصل تو " معرب " ہے اور اس کے بنیادی معنی " کم تر، گھٹیا، ناقص اور حقیر " کے ہیں اور اسی معنی میں یہ اردو فارسی میں بھی مستعمل ہے ۔ جیسے " دنیائے دوں " میں ۔ تاہم قرآن کریم میں یہ لفظ بطور اسم معرب کہیں استعمال نہیں ہوا ـــ اس لفظ (دُوْن) کا زیادہ استعمال ظرفیت (حقیقی یا معنوی) کے لیے ہوتا ہے ۔ اور اس کے لیے یہ ہمیشہ منصوب اور مضاف ہو کر (قبل اور بعد کی طرح) استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے " دونَ الجھر (الاعراف : ۲۰۵) ، دُوْنَ العذابِ (السجدہ : ۲۱) ، دونَ اللّٰہِ (الصّٰفّٰت : ۸۶) میں ـــــ اور اس (اضافت والی) صورت میں بیشتر اس سے پہلے " مِنْ " استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے " من دونِ اللّٰہِ " (آیت زیر مطالعہ میں) ۔ اس اضافت والے استعمال کی صورت میں اس لفظ (دون) کے حسبِ موقع متعدد معنی ہوتے ہیں مثلاً (۱) ...... کے علاوہ ، ...... کے سوا ۔ (۲) ...... کو چھوڑ کر (۳) ...... کے خلاف (۴) ...... کے بغیر (۵) ...... کے مقابلے پر (۶) ...... سے کم تر (۷) ...... کے نیچے (۸) ...... کے ہمراہ (۹) ...... کے سامنے (۱۰) ......

© rasailojaraid.com

ـــــ قرآن کریم میں اس سے فعل مجرّد کے صیغے ۱۵ جگہ اور مزید فیہ کے ابواب سے افعال کے مختلف صیغے ۱۶ جگہ آئے ہیں اس کے علاوہ ثلاثی مجرد و مزید فیہ کے مختلف مصادر اور اسماء مشتقہ کے مختلف صیغے سَو سے زیادہ جگہ آئے ہیں۔ ان سب پر اپنی اپنی جگہ بات ہوگی۔ انشاء اللہ۔

۲:۱۷:۱(۱۱) [**فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا**] یہ دراصل چار کلمات یعنی ف + اِنْ + لَمْ + تَفْعَلُوْا کا مرکب ہے۔ ابتدائی فاء (فَ) یہاں حرفِ ربط کا کام دے رہی ہے اس کا اردو ترجمہ "پھر" یا "پس" ہی ہوگا۔ اور "اِنْ" حرفِ شرط ہے۔ بمعنیٰ "اگر"۔

"فَ" کے معنی و استعمالات کی مزید وضاحت کے لیے البقرہ : ۲۲ یعنی ۲:۱۶:۱(۱۰) اور "اِنْ" کے معانی و استعمالات کے لیے (اوپر) البقرہ :۲۳ ـ ۲:۱۷:۱(۱) دیکھئے۔ "لَمْ" حرفِ جازم ہے۔ جس کے الگ اپنے کوئی معنی نہیں ہوتے مگر یہ فعل مضارع کی شکل اور معنی میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ یعنی یہ (لَمْ) فعلِ مضارع پر داخل ہو (یعنی پہلے آئے) تو اس (فعل مضارع) کو مجزوم کر دیتا ہے اور بلحاظ معنی اس (مضارع) میں فعل ماضی منفی بجحد یعنی زور اور تاکید کے ساتھ نفی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔

"**تفعلوا**" کا مادہ "ف ع ل" اور وزن (بھی) "تَفْعَلُوْا" ہے۔ اس مادہ (ف ع ل) کے تین حرفوں کو علم الصرف میں مادہ اور وزن کی بنیاد ٹھہرایا جاتا ہے۔ تاہم اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی "فَعَلَ ..... یَفْعَلُ فَعْلاً" (باب فتح سے) کے معنی ہوتے ہیں۔ "..... (کوئی کام) ..... کرنا" ـــ یہ فعل متعدی ہے تاہم استعمال میں اکثر اس کا مفعول غیر مذکور ہوتا ہے۔ اور اگرچہ عربی زبان میں اس مادہ سے باب انفعال اور افتعال سے بھی (مختلف معنی کے لیے) فعل استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ کے صرف فعل مجرد سے ہی افعال اور اسمائے مشتقہ کے مختلف صیغے بکثرت (تقریباً ۱۰۸ جگہ) وارد ہوئے

© rasailojaraid

—— قرآن کریم میں اس سے فعل مجرّد کے صیغے ۱۵ جگہ اور مزید فیہ کے ابواب سے افعال کے مختلف صیغے ۱۶ جگہ آئے ہیں اس کے علاوہ ثلاثی مجرد و مزید فیہ کے مختلف مصادر اور اسماء مشتقہ کے مختلف صیغے سَو سے زیادہ جگہ آئے ہیں۔ ان سب پر اپنی اپنی جگہ بات ہوگی۔ انشاء اللہ۔

۲: ۱۷: ۱ (۱۱) [**فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا**] یہ دراصل چار کلمات یعنی ف + اِنْ + لَمْ + تَفْعَلُوْا کا مرکب ہے۔ ابتدائی فاء (فَ) یہاں حرفِ ربط کا کام دے رہی ہے اس کا اردو ترجمہ "پھر" یا "پس" ہی ہوگا۔ اور "اِنْ" حرفِ شرط ہے۔ بمعنیٰ "اگر"۔

"فَ" کے معنی و استعمالات کی مزید وضاحت کے لیے البقرہ: ۲۲ یعنی ۲: ۱۶: ۱ (۱۰) اور "اِنْ" کے معانی و استعمالات کے لیے (اوپر) البقرہ: ۲۳ —— ۲: ۱۷: ۱ (۱) دیکھئے۔ "لَمْ" حرفِ جازم ہے۔ جس کے الگ اپنے کوئی معنی نہیں ہوتے مگر یہ فعل مضارع کی شکل اور معنی میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ یعنی یہ (لَمْ) فعلِ مضارع پر داخل ہو (یعنی پہلے آئے) تو اس (فعل مضارع) کو مجزوم کر دیتا ہے اور بلحاظ معنی اس (مضارع) میں فعل ماضی منفی بجحد یعنی زور اور تاکید کے ساتھ نفی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔

"**تفعلوا**" کا مادہ "ف ع ل" اور وزن (بھی) "تَفْعَلُوْا" ہے۔ اس مادہ (ف ع ل) کے تین حرفوں کو علم الصرف میں مادہ اور وزن کی بنیاد ٹھہرایا جاتا ہے۔ تاہم اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی "فَعَلَ ...... یَفْعَلُ فَعْلاً" (باب فتح سے) کے معنی ہوتے ہیں۔ "...... (کوئی کام) ...... کرنا" —— یہ فعل متعدی ہے تاہم استعمال میں اکثر اس کا مفعول غیر مذکور ہوتا ہے۔ اور اگرچہ عربی زبان میں اس مادہ سے باب انفعال اور افتعال سے بھی (مختلف معنی کے لیے) فعل استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ کے صرف فعل مجرد سے ہی افعال اور اسمائے مشتقہ کے مختلف صیغے بکثرت (تقریباً ۱۰۸ جگہ) وارد ہوئے

© rasailojaraid.com

کیا جائے تو اس میں ارادہ اور نیت کی نفی سمجھی جاتی ہے اور اس سے مفہوم ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔ اصل مقصود تو "استطاعت" کی نفی ہے جو فعل "سکنا" کے ذریعے ہی ظاہر کی جا سکتی ہے۔

بعض حضرات نے فعل میں نفی جحد کا زور مدنظر رکھتے ہوئے "ولن تفعلوا" کا ترجمہ "قیامت تک نہ کر سکو گے" کیا ہے۔ جسے تفسیری ترجمہ قرار دے کر ہی درست کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آیت کی عبارت میں تو "قیامت تک" کے لیے کوئی الفاظ نہیں ہیں۔

[فَاتَّقُوْا] میں "فَ" تو عاطفہ بمعنی "پس" اس لیے" ہے اور "اتقوا" کا مادہ "و ق ی" اور وزن اصلی "اِفتَعِلوا" ہے۔ اس کی اصلی شکل "اِوْتَقِیُوا" تھی۔ جس میں ابتدائی "و" کو عرب لوگ قاعدہ کلیہ کی طرح (ہمیشہ) "ت" میں بدل کر بولتے ہیں۔ اس طرح اس فعل کے شروع کا حصہ "اِوْتَ" بدل کر "اِتَّ" ہو جاتا ہے۔ اور آخری حصہ "قِیُوا" کے واو الجمع سے ماقبل لام کلمہ (ی) ساقط ہو کر اس سے ماقبل مکسور "ق" (عین کلمہ) کو مضموم کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ لفظ "اِتَّقُوا" بن جاتا ہے جو اس مادہ (و ق ی) سے باب افتعال کے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔

اس مادہ کے فعل ثلاثی مجرد کے باب، معنی اور استعمال پر البقرہ : ۲ یعنی ۲:۱:۱(۷) میں بات ہو چکی ہے۔ بلکہ وہیں اس مادہ (و ق ی) سے باب افتعال کے فعل کے معنی اور اس فعل میں واقع ہونے والی صرفی تعلیل کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔

[النَّارَ] جو لفظ "نار" کی معرف باللام شکل ہے اور لفظ "نار" کا مادہ "ن و ر" اور وزن اصلی "فَعَلٌ" ہے۔ شکل اصلی "نَوَرٌ" ہے۔ جس میں "واو متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل کر" لفظ "نار" بن جاتا ہے۔ اس مادہ (ن و ر) سے فعل مجرد کے باب و معنی نیز لفظ "نار" کے معنی

© rasailojaraid
© rasailojaraid.

کیا جائے تو اس میں ارادہ اور نیت کی نفی سمجھی جاتی ہے اور اس سے مفہوم ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔ اصل مقصود تو "استطاعت" کی نفی ہے جو فعل "سکنا" کے ذریعے ہی ظاہر کی جا سکتی ہے۔

بعض حضرات نے فعل میں نفی جحد کا زور مدنظر رکھتے ہوئے "ولن تفعلوا" کا ترجمہ "قیامت تک نہ کر سکو گے" کیا ہے۔ جسے تفسیری ترجمہ قرار دے کر ہی درست کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آیت کی عبارت میں تو "قیامت تک" کے لیے کوئی الفاظ نہیں ہیں۔

[فَاتَّقُوْا] میں "فَ" تو عاطفہ بمعنی "پس" اس لیے" ہے اور "اتقوا" کا مادہ "و ق ی" اور وزن اصلی "اِفتَعِلوا" ہے۔ اس کی اصلی شکل "اِوْتَقِیُوْا" تھی۔ جس میں ابتدائی "و" کو عرب لوگ قاعدہ کلیہ کی طرح (ہمیشہ) "ت" میں بدل کر بولتے ہیں۔ اس طرح اس فعل کے شروع کا حصہ "اِوْتَ" بدل کر "اِتَّ" ہو جاتا ہے۔ اور آخری حصہ "قِیُوا" کے واو الجمع سے ماقبل لام کلمہ (ی) ساقط ہو کر اس سے ماقبل مکسور "ق" (عین کلمہ) کو مضموم کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ لفظ "اِتَّقُوا" بن جاتا ہے جو اس مادہ (و ق ی) سے باب افتعال کے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔

اس مادہ کے فعل ثلاثی مجرد کے باب، معنی اور استعمال پر البقرہ : ۲ یعنی ۲ : ۱ : ۱ (۷) میں بات ہو چکی ہے۔ بلکہ وہیں اس مادہ (و ق ی) سے باب افتعال کے فعل کے معنی اور اس فعل میں واقع ہونے والی صرفی تعلیل کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔

[النَّارَ] جو لفظ "نار" کی معرف باللام شکل ہے اور لفظ "نار" کا مادہ "ن و ر" اور وزن اصلی "فَعَلٌ" ہے۔ شکل اصلی "نَوَرٌ" ہے۔ جس میں "واو متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل کر" لفظ "نار" بن جاتا ہے۔ اس مادہ (ن و ر) سے فعل مجرد کے باب و معنی نیز لفظ "نار" کے معنی

© rasailojaraid

کرنا ' یہ فعل ہمیشہ متعدی آتا ہے اور اس کے دو مفعول ہوتے ہیں (۱) جس چیز سے روکا جائے یہ ہمیشہ بنفسہٖ آتا ہے اور (۲) وہ جس کو روکا جائے اس پر "علی" کا صلہ آتا ہے مثلاً کہتے ہیں "حجر علیہ الامر (اس کو اس معاملہ سے روک دیا) زیادہ تر یہ قانونی اور عدالتی ممانعت کے لیے استعمال ہوتا ہے ـــ تاہم ...... تاہم اس مادہ (حجر) سے قرآن کریم میں کسی قسم کے فعل (مجرد یا مزید فیہ) کا کوئی صیغہ کہیں استعمال نہیں ہوا ـ البتہ اس سے ماخوذ مختلف المعنی جامد اور مشتق اسماء بیسیوں کے قریب مقامات پر آئے ہیں جن کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا ـ ان شاء اللہ تعالیٰ

● یہ لفظ (حجارۃ) جو معرفہ و نکرہ مختلف صورتوں میں قرآن کریم کے اندر دس جگہ وارد ہوا ہے ' جمع کا صیغہ ہے ـ اس کا واحد "حَجَرٌ" ہے جس کے معنی ہیں "پتھر" ـ اور یہ (صیغۂ واحد) بھی معرف باللام ہو کر قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے ـ لفظ "حَجَرٌ" کی جمع مکسر "حِجَارَةٌ" کے علاوہ "اَحْجَار، حِجَارٌ اور اَحجُر" وغیرہ بھی استعمال ہوتی ہیں تاہم قرآنِ کریم میں "حِجَارۃ" کے علاوہ کوئی دوسری جمع مستعمل نہیں ہوئی ـــ

۲:۱۷:۱ (۱۴) [**اُعِدَّتْ**] کا مادہ "ع د د" اور وزن اصلی "اُفْعِلَتْ" ہے ـ اس کی اصلی شکل "اُعْدِدَتْ" تھی ـ جس میں فعل مضاعف کے قاعدۂ ادغام کے مطابق پہلی "دِ" کی کسرہ عین ساکنہ (عْ) کو دے کر ہر دو دال (دْدَ) کو مدغم (دَّ) کر دیا گیا یعنی اُعْدِدَت = اُعِدْدَتْ = اُعِدَّتْ ـ

● اس مادہ (عدد) سے فعل ثلاثی مجرد "عَدَّ ... یعُدُّ عَدًّا" (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے دو معنی ہیں (۱) ... کو گننا ' ...... شمار کرنا " اور (۲) .... کو ...... سمجھنا ' خیال کرنا ' یہ فعل ہمیشہ متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے مثلاً "عَدَّھُمْ" (مریم : ۹۴) اس نے ان کو گن لیا" ـــ دوسرے معنی (خیال کرنا) کے لیے یہ "حَسِبَ" اور "ظنَّ" کے ہی معنوں میں اور ان کی طرح دو مفعول کے ساتھ آتا ہے ـ جیسے "عَدَّ زیداً عالماً" (اس نے زید کو عالم سمجھا یا علماء میں شمار کیا) ـ

© rasailojaraid © rasailojaraid.c

کرنا"۔ یہ فعل ہمیشہ متعدی آتا ہے اور اس کے دو مفعول ہوتے ہیں (۱) جس چیز سے روکا جائے یہ ہمیشہ بنفسہ آتا ہے اور (۲) وہ جس کو روکا جائے اس پر "علی" کا صلہ آتا ہے مثلاً کہتے ہیں " حجر علیہ الامر (اس کو اس معاملہ سے روک دیا) زیادہ تر یہ قانونی اور عدالتی ممانعت کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ تاہم ...... تاہم اس مادہ (حجر) سے قرآن کریم میں کسی قسم کے فعل (مجرد یا مزید فیہ) کا کوئی صیغہ کہیں استعمال نہیں ہوا ۔ البتہ اس سے ماخوذ مختلف المعنی جامد اور مشتق اسماء بیسیوں کے قریب مقامات پر آئے ہیں جن کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

● یہ لفظ (حجارۃ) جو معرفہ و نکرہ مختلف صورتوں میں قرآن کریم کے اندر دس جگہ وارد ہوا ہے، جمع کا صیغہ ہے ۔ اس کا واحد " حَجَرٌ " ہے جس کے معنی ہیں " پتھر "۔ اور یہ (صیغہ واحد) بھی معرف باللام ہو کر قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے ۔ لفظ " حَجَرٌ " کی جمع مکسر " حِجَارَۃٌ " کے علاوہ " اَحْجَار، حِجَارٌ اور اَحْجُر " وغیرہ بھی استعمال ہوتی ہیں تاہم قرآنِ کریم میں " حِجَارَۃ " کے علاوہ کوئی دوسری جمع مستعمل نہیں ہوئی ۔

۲:۱۷:۱ (۱۴) [**اُعِدَّتْ**] کا مادہ " ع د د " اور وزنِ اصلی " اُفْعِلَتْ " ہے۔ اس کی اصلی شکل " اُعْدِدَتْ " تھی۔ جس میں فعل مضاعف کے قاعدۂ ادغام کے مطابق پہلی " دِ " کی کسرہ عین ساکنہ (عْ) کو دے کر ہر دو دال (دْدَ) کو مدغم (دَّ) کر دیا گیا یعنی اُعْدِدَت = اُعْدِدَتْ = اُعِدَّتْ ۔

● اس مادہ (عدد) سے فعل ثلاثی مجرد " عَدَّ ..... یعُدُّ عدًّا " (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے دو معنی ہیں (۱) ..... کو گننا ، ..... شمار کرنا " اور (۲) ..... کو ..... سمجھنا ، خیال کرنا "۔ یہ فعل ہمیشہ متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے مثلاً " عَدَّهُم " (مریم : ۹۴) اس نے ان کو گن لیا " ___ دوسرے معنی (خیال کرنا) کے لیے یہ " حَسِبَ " اور " ظَنَّ " کے ہی معنوں میں اور ان کی طرح دو مفعول کے ساتھ آتا ہے ۔ جیسے " عَدَّ زیداً عالماً " (اس نے زید کو عالم سمجھا یا علماء میں شمار کیا) ۔

© rasailojaraid.com

الإعراب ۲ : ۱۷ : ۲

زیرِ مطالعہ دو آیات چھوٹے چھوٹے سات جملوں پر مشتمل ہیں جن میں سے بیشتر آپس میں شرط اور جوابِ شرط کا تعلق رکھتے ہیں اور مل کر جملہ شرطیہ بنتے ہیں۔ اور بعض "واو" عاطفہ یا "فاء" عاطفہ (برائے رابطہ) کے ذریعے باہم مربوط ہیں۔ تمام جملوں کی ترکیب اعرابی کی تفصیل یوں ہے:

(۱) وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا ــــ۔۔۔

اس میں ابتدائی واو ["وَ"] استیناف کی ہے کیونکہ اس کا سابقہ آیت یا اس کے آخری حصہ (وانتم تعلمون) پر بلحاظ معنی عطف ہو ہی نہیں سکتا۔ آیت زیرِ مطالعہ کے ذریعے ایک الگ بات شروع کی گئی ہے [اِنْ] شرطیہ ہے اور [كُنْتُمْ] فعل ناقص (ماضی) ہے جس میں اس کا اسم "انتم" بصورت ضمیر مستتر ہے۔ اگرچہ فعل ماضی ہونے کی وجہ سے حرفِ شرط (اِنْ) کا اس (كُنْتُمْ) پر کوئی "عمل" نہیں ہوا۔ تاہم نحو کی اصطلاح میں یہاں "کنتم" کو محلاً منصوب کہہ سکتے ہیں۔ [فی ریبٍ] جار (فی) اور مجرور (ریبٍ) مل کر اس "کنتم" کی خبر محذوف کا کام دے رہا ہے۔ [مِمَّا] جار مجرور ("من + ما" موصولہ) مل کر "فی ریبٍ" سے متعلق ہے۔ یعنی یہ "من" بیانیہ ہے جو اس "ریب" (شک) کی وضاحت کرتا ہے کہ کون سا شک؟ کس کے بارے میں؟ ـــ [نزّلنا] فعل ماضی معروف ہے جس میں ضمیرِ تعظیم (نحن) بصورت "نا" فعل کے صیغہ میں موجود ہے [1] یعنی "ہم نے اتارا"۔ اس (نزّلنا) میں دراصل ایک ضمیر عائد محذوف ہے یعنی دراصل (تقدیر عبارت) "نزّلناہ" ہے۔

---

[1] خیال رہے کہ جب "جمع" کی ضمیر متصل یا منفصل اللہ تعالیٰ کے لیے آئے تو اسے ضمیر فاعلین یا صیغہ جمع کی ضمیر کہنے کی بجائے احتراماً اور عقیدۃً "ضمیر تعظیم" کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

۲:۱۷:۲ الإعراب

زیرِ مطالعہ دو آیات چھوٹے چھوٹے سات جملوں پر مشتمل ہیں جن میں سے بیشتر آپس میں شرط اور جوابِ شرط کا تعلق رکھتے ہیں اور مل کر جملہ شرطیہ بنتے ہیں۔ اور بعض "واو" عاطفہ یا "فاء" عاطفہ (برائے رابطہ) کے ذریعے باہم مربوط ہیں۔ تمام جملوں کی ترکیب اعرابی کی تفصیل یوں ہے:

(۱) وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا ــــ ...

اس میں ابتدائی واو ["وَ"] استیناف کی ہے کیونکہ اس کا سابقہ آیت یا اس کے آخری حصہ (وانتم تعلمون) پر بلحاظ معنی عطف ہو ہی نہیں سکتا۔ آیت زیرِ مطالعہ کے ذریعے ایک الگ بات شروع کی گئی ہے۔ [اِنْ] شرطیہ ہے اور [کُنْتُمْ] فعل ناقص (ماضی) ہے جس میں اس کا اسم "انتم" بصورت ضمیر مستتر ہے۔ اگرچہ فعل ماضی ہونے کی وجہ سے حرفِ شرط (اِنْ) کا اس (کُنْتُمْ) پر کوئی "عمل" نہیں ہوا۔ تاہم نحو کی اصطلاح میں یہاں "کنتم" کو محلاً منصوب کہہ سکتے ہیں۔ [فی رَیْبٍ] جار (فی) اور مجرور (ریبٍ) مل کر اس "کنتم" کی خبر محذوف کا کام دے رہا ہے۔ [مِمَّا] جار مجرور ("من + ما" موصولہ) مل کر "فی ریبٍ" سے متعلق ہے۔ یعنی یہ "من" بیانیہ ہے جو اس "ریب" (شک) کی وضاحت کرتا ہے کہ کون سا شک؟ کس کے بارے میں؟ ــ [نزّلنا] فعل ماضی معروف ہے جس میں ضمیرِ تعظیم (نحن) بصورت "نا" فعل کے صیغہ میں موجود ہے[1] یعنی "ہم نے اتارا"۔ اس (نزّلنا) میں دراصل ایک ضمیر عائد محذوف ہے یعنی دراصل (تقدیرِ عبارت) "نزّلناہ" ہے۔

---

[1] خیال رہے کہ جب "جمع" کی ضمیر متصل یا منفصل اللہ تعالیٰ کے لیے آئے تو اسے ضمیر فاعلین یا صیغہ جمع کی ضمیر کہنے کی بجائے احتراماً اور عقیدةً "ضمیر تعظیم" کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

آدمی کی طرف سے "۔ ضمیر (ہ) کے لیے یہ دو "مرجع" والا امکان مفسرین اور اصحاب بلاغت کے لیے نکتہ آفرینی کا باعث تو بنتا ہے ؎ تاہم ہمارے مترجمین (اردو، فارسی، انگریزی) میں سے کسی نے بھی "مثلہ" کی ضمیر مجرور کا مرجع "عبدنا" کو قرار نہیں دیا۔ بلکہ سب نے "ما نزّلنا (ہ)" یعنی قرآن کو ہی اس کا مرجع سمجھ کر ترجمہ "اس قسم کی"، "اس جیسی"، "اس کے ہم پلّہ"، "اس کے جوڑ کی" اور "اس طرح کی" کے ساتھ کیا ہے۔ یہ جملہ (۲) سابقہ جملے کا جواب شرط ہے مگر اس سے اگلا جملہ (۳) بھی بذریعہ واو العطف اسی (جواب شرط) کا ہی ایک حصہ ہے۔

③ وَادعُوا شُهَدَاءَكُم مِن دُونِ اللّٰهِ

[وَ] عاطفہ ہے اور [ادْعُوا] فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اور یہ فعل بذریعہ واو العطف سابقہ فعل "فأتوا" پر بھی عطف ہو سکتا ہے (اور اس کے بعد والا جملہ بھی پہلے جملہ پر عطف ہو سکتا ہے) [شُهَدَاءَكُم] مرکب اضافی ہے جس میں "شہداء" مضاف اور ضمیر مجرور "کم" مضاف الیہ ہے۔ اور یہ (مرکب) سابقہ فعل "وادعُوا" کا مفعول بہ منصوب ہے اور اس میں علامتِ نصب "شہداء" کے آخری ھمزہ (ء) کی فتحہ (ـَ) ہے [مِن دُونِ اللّٰهِ] مرکب جارّی ہے جس میں "مِن" حرف الجر، "دون" ظرف مجرور اور (آگے) مضاف ہے اور "اللّٰہِ" مضاف الیہ (لھذا) مجرور ہے۔ اور یہ سارا مرکب جارّی (من دون اللہ) "شہداءکم" کے حال یا اس کی صفت کا کام دے رہا ہے۔ "یعنی بلالو اپنے حمایتیوں کو (جو) اللہ کے سوا (بنا رکھے) ہیں"۔ یہاں تک کا جملہ (وادعوا شھداءکم من دون اللہ) سابقہ جملہ (۲) پر عطف ہو کر جوابِ شرط میں بھی داخل سمجھا جا سکتا ہے۔ اور اسے اس کے بعد آنے والے اگلے جملے (۴) کا جوابِ شرط (مقدم) بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

؎ مثلاً دیکھیے زمخشری (الکشاف) ج ۱ ص ۲۴۲ یا الدرویش (اعراب القرآن) ج ۱ ص ۵۷۔

© rasailojaraid.com

آدمی کی طرف ہے"۔ ضمیر (ہ) کے لیے یہ دو "مرجع" والا امکان مفسرین اور اصحاب بلاغت کے لیے نکتہ آفرینی کا باعث تو بنتا ہے[1] تاہم ہمارے مترجمین (اردو، فارسی، انگریزی) میں سے کسی نے بھی "مثلہ" کی ضمیر مجرور کا مرجع "عبدنا" کو قرار نہیں دیا۔ بلکہ سب نے "ما نزّلنا (ہ)" یعنی قرآن کو ہی اس کا مرجع سمجھ کر ترجمہ "اس قسم کی"، "اس جیسی"، "اس کے ہم پلّہ" "اس کے جوڑ کی" اور "اس طرح کی" کے ساتھ کیا ہے۔ یہ جملہ (۲) سابقہ جملے کا جواب شرط ہے مگر اس سے اگلا جملہ (۳) بھی بذریعہ واو العطف اسی (جواب شرط) کا ہی ایک حصہ ہے۔

۳ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللّٰهِ

[وَ] عاطفہ ہے اور [ادْعُوا] فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اور یہ فعل بذریعہ واو العطف سابقہ فعل "فَأْتُوا" پر بھی عطف ہو سکتا ہے (اور اس کے بعد والا جملہ بھی پہلے جملہ پر عطف ہو سکتا ہے) [شُهَدَاءَكُم] مرکب اضافی ہے جس میں "شہداء" مضاف اور ضمیر مجرور "کم" مضاف الیہ ہے۔ اور یہ (مرکب) سابقہ فعل "وادعُوا" کا مفعول بہ منصوب ہے اور اس میں علامت نصب "شہداء" کے آخری ھمزہ (ء) کی فتحہ (ـَ) ہے [مِن دُونِ اللّٰهِ] مرکب جارّی ہے جس میں "مِن" حرف الجر، "دون" ظرف مجرور اور (آگے) مضاف ہے اور "اللّٰہِ" مضاف الیہ (لھذا) مجرور ہے۔ اور یہ سارا مرکب جارّی (من دون اللّٰہ) "شہداءکم" کے حال یا اس کی صفت کا کام دے رہا ہے۔ "یعنی بلا لو اپنے حمایتیوں کو (جو) اللہ کے سوا (بنا رکھے) ہیں"۔ یہاں تک کا جملہ (وادعوا شہداءکم من دون اللّٰہ) سابقہ جملہ (۲) پر عطف ہو کر جواب شرط میں بھی داخل سمجھا جا سکتا ہے۔ اور اسے اس کے بعد آنے والے اگلے جملے (۴) کا جوابِ شرط (مقدم) بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

---

[1] مثلاً دیکھیے زمخشری (الکشاف) ج ۱ ص ۲۴۲ یا الدرویش (اعراب القرآن) ج ۱ ص ۵۷

© rasailojaraid.com

اس منصوب اور مجزوم مضارع کے معنی پر ابھی اوپر "بحث اللغۃ" میں بات ہو چکی ہے ۔ اس طرح یہ جملہ فعلیہ (وَلَنْ تفعلوا) پہلے شرط والے جملے (فان لم تفعلوا) اور آگے آنے والے جواب شرط جملے (فاتقوا .... والحجارۃ تک) جو آگے (۶) میں آ رہا ہے ــــ کے درمیان جملہ معترضہ کا کام دے رہا ہے ۔ اور یہاں دونوں (مجزوم و منصوب) "تفعلوا" کے بعد ایک ضمیر مفعول محذوف ہے یعنی تقدیر عبارت بنتی ہے " فان لم تفعلوا (ہ) ولن تفعلو (ہ) " اس ضمیر محذوف کے ساتھ ترجمہ پر ابھی اوپر "بحث اللغۃ" میں بات ہو چکی ہے ۔ [۲ : ۱۷ : ۱ (۱۱) میں] ۔

⑥ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ :-

شروع کی [فَ] یہاں بھی جواب شرط (جملے) کے لیے حرفِ ربط کا کام دے رہی ہے ۔ [.... اتَّقُوا] فعل امر حاضر جمع مذکر ہے جس میں آخری واو الجمع (و) ضمیر فاعلین " انتم " کی علامت ہے [النَّارَ] اس فعل (فاتقوا) کا مفعول (لہذا) منصوب ہے علامتِ نصب " ر " کی فتحہ (ـَـ) ہے ۔

[التی] اسم موصول ہے برائے واحد مؤنث ہے (النار مؤنث سماعی ہے) جو اپنے مابعد کی عبارت (صلہ) سمیت " النار " کی صفت کے طور پر آ رہا ہے ۔ لہذا یہ (التی) محلاً منصوب ہے ۔ [وَقُوْدُهَا] یہ مرکب اضافی ہے (جس میں "وقود" مضاف اور ضمیر مجرور " ھا " مضاف الیہ ہے) ۔ مبتداء ہے ۔ اسی لیے " وَقُوْدُ " مرفوع ہے اور اس کی علامت رفع " د " کا ضمہ (ـُـ) ہے ۔ [النَّاسُ] یہ " وَقُوْدُهَا " کی خبر ہے اور اسی لیے مرفوع ہے ۔ یہاں بھی علامتِ رفع " س " کا ضمہ (ـُـ) ہے [وَالْحِجَارَةُ] " واو " تو عاطفہ ہے اور " الحجارۃُ " کا عطف " النَّاسُ " پر ہے اور اسی لیے مرفوع ہے علامتِ رفع " ۃُ " کا ضمہ (ـُـ) ہے ۔ اس طرح یہ جملہ اسمیہ " وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ " سابقہ جملے (۵) کا جوابِ شرط ہے ۔

© rasailojaraid.com

اس منصوب اور مجزوم مضارع کے معنی پر ابھی اوپر "بحث اللغۃ" میں بات ہوچکی ہے ۔ اس طرح یہ جملہ فعلیہ (وَلَنْ تفعلوا) پہلے شرط والے جملے (فان لم تفعلوا) اور آگے آنے والے جواب شرط جملے (فاتقوا .... والحجارۃ تک) جو آگے (۶) میں آرہا ہے ___ کے درمیان جملہ معترضہ کا کام دے رہا ہے ۔ اور یہاں دونوں (مجزوم ومنصوب) "تفعلوا" کے بعد ایک ضمیر مفعول محذوف ہے یعنی تقدیر عبارت بنتی ہے " فان لم تفعلوا (ہ) ولن تفعلو (ہ) " اس ضمیر محذوف کے ساتھ ترجمہ پر ابھی اوپر "بحث اللغۃ" میں بات ہوچکی ہے ۔ [۲ : ۱۷ : ۱ (۱۱) میں] ۔

۶ فاتقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُوْدُهَا النَّاسُ والحجارۃ :-

شروع کی [فَ] یہاں بھی جوابِ شرط (جملے) کے لیے حرفِ ربط کا کام دے رہی ہے ۔ [.... اتَّقُو] فعل امر حاضر جمع مذکر ہے جس میں آخری واو الجمع (و) ضمیر فاعلین " انتم " کی علامت ہے [النَّارَ] اس فعل (فاتقوا) کا مفعول (لہذا) منصوب ہے علامتِ نصب "ر" کی فتحہ (ـَـ) ہے ۔ [التی] اسم موصول ہے برائے واحد مؤنث ہے (النار مؤنث سماعی ہے) جو اپنے مابعد کی عبارت (صلہ) سمیت " النار " کی صفت کے طور پر آرہا ہے۔ لھذا یہ (التی) محلاً منصوب ہے ۔ [وَقُوْدُهَا] یہ مرکب اضافی ہے (جس میں "وقود" مضاف اور ضمیر مجرور " ھا " مضاف الیہ ہے) ۔ مبتداء ہے ۔ اسی لیے "وَقُوْدُ" مرفوع ہے اور اس کی علامتِ رفع " د " کا ضمہ (ـُـ) ہے ۔ [النَّاسُ] یہ "وَقُوْدُهَا" کی خبر ہے اور اسی لیے مرفوع ہے ۔ یہاں بھی علامتِ رفع "س" کا ضمہ (ـُـ) ہے [وَالحجارۃُ] " واو " تو عاطفہ ہے اور " الحجارۃُ " کا عطف " النَّاسُ " پر ہے اور اسی لیے مرفوع ہے علامتِ رفع " ۃُ " کا ضمہ (ـُـ) ہے ۔ اس طرح یہ جملہ اسمیہ " وَقُوْدُهَا النَّاسُ والحجارۃُ " سابقہ جملے (۵) کا جوابِ شرط ہے ۔

© rasailojaraid.c

ہیں ــــ پھر ان تین مقامات میں سے بھی پہلا یعنی النساء : ۲۵ میں اس کا مقطوع (من ما) لکھنا تو متفق علیہ ہے البتہ الروم : ۲۸ والے لفظ کے بارے میں ابوداؤد کا اور المنفقون : ۱۰ والے لفظ کے بارے میں الدانی کا اختلاف منقول ہے[1] باقی تمام مقامات پر (جس میں زیر مطالعہ آیت بھی شامل ہے) یہ ہمیشہ موصول (مِمّا) ہی لکھا جاتا ہے۔

(۲) کلمہ "صدقین" جس کا رسم املائی "صادقین" ہے، قرآن کریم میں یہاں (آیت زیر مطالعہ میں) بلکہ ہر جگہ بحذف الالف بعد الصاد (بصورت "صدقین") لکھا جاتا ہے۔ لفظ "صادقین" (نصب وجر میں) قرآن کریم میں کل پچاس جگہ اور "صادقون" (بحالت رفع) کل چھ (۶) جگہ آیا ہے اور یہ ان تمام (۵۶) مقامات پر بحذف الف "صدقین یا صدقون" ہی لکھا جاتا ہے۔ چاہے معرف باللام ہو یا نکرہ ــــ البتہ اس کا واحد "صادق" جو قرآن کریم میں کل تین جگہ (مریم : ۵۴، المؤمن : ۲۸ اور الذاریات : ۵) آیا ہے۔ یہ ہر جگہ باثبات الالف بعد الصاد یعنی "صادق" ہی لکھا جاتا ہے بلکہ اسی سے علمائے رسم نے ایک قاعدہ نکالا ہے کہ قرآن کریم میں اسم الفاعل کے وزن پر آنے والا لفظ ہمیشہ "باثبات الالف" لکھا جاتا ہے اور اس کی جمع مذکر سالم ہر جگہ "بحذف الالف" لکھی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ سو فیصد قاعدہ (کلیہ) نہیں ہے

(۳) لفظ "الکافرین" (جس سے پہلے لام الجر اور لام تعریف ملا کر بصورت "للٰـ" لکھا جاتا ہے) کا معاملہ بھی بلحاظ رسم واملاء "صادقین" جیسا ہی ہے۔ یعنی یہ بھی بصورت جمع مذکر سالم تو ہر جگہ بحذف الالف بعد الکاف (کفرون، کفرین) ہی لکھا جاتا ہے۔ اس صورت (جمع مذکر سالم کی) میں یہ لفظ قرآن کریم میں کل ۱۲۹ جگہ آیا ہے (جس میں زیر مطالعہ آیت کا لفظ بھی شامل ہے) اور ہر جگہ

---

[1] دیکھئے المقنع (للدانی) ص ۶۹، العقید (للشاطبی) ص ۸۷ اور لطائف البیان (شرح مورد الظمآن للخراز) ج ۲ : ص ۵۹

© rasailojaraid.com

ہیں ـــ پھر ان تین مقامات میں سے بھی پہلا یعنی النساء : ۲۵ میں اس کا مقطوع (من ما) لکھنا تو متفق علیہ ہے البتہ الروم : ۲۸ والے لفظ کے بارے میں ابوداؤد کا اور المنفقون : ۱۰ والے لفظ کے بارے میں الدانی کا اختلاف منقول ہے[1] باقی تمام مقامات پر (جس میں زیرِ مطالعہ آیت بھی شامل ہے) یہ ہمیشہ موصول (مِمَّا) ہی لکھا جاتا ہے۔

(۲) کلمہ "صدقین" جس کا رسم املائی "صادقین" ہے، قرآن کریم میں یہاں (آیت زیرِ مطالعہ میں) بلکہ ہر جگہ بحذف الالف بعد الصاد (بصورت "صدقین") لکھا جاتا ہے۔ لفظ "صادقین" (نصب وجر میں) قرآن کریم میں کل پچاس جگہ اور "صادقون" (بحالت رفع) کل چھ (۶) جگہ آیا ہے اور یہ ان تمام (۵۶) مقامات پر بحذف الف " صدقین یا صدقون" ہی لکھا جاتا ہے۔ چاہے معرف باللام ہو یا نکرہ ـــ البتہ اس کا واحد "صادق" جو قرآن کریم میں کل تین جگہ (مریم : ۵۴، المؤمن : ۲۸ اور الذاریات : ۵) آیا ہے۔ یہ ہر جگہ باثبات الالف بعد الصاد یعنی "صادق" ہی لکھا جاتا ہے بلکہ اسی سے علمائے رسم نے ایک قاعدہ نکالا ہے کہ قرآن کریم میں اسم الفاعل کے وزن پر آنے والا لفظ ہمیشہ " باثبات الف" لکھا جاتا ہے اور اس کی جمع مذکر سالم ہر جگہ "بحذف الف" لکھی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ سو فیصد قاعدہ (کلیہ) نہیں ہے

(۳) لفظ "الکافرین" (جس سے پہلے لام الجر اور لام تعریف ملا کر بصورت "لِلْ" لکھا جاتا ہے) کا معاملہ بھی بلحاظ رسم واملاء "صادقین" جیسا ہی ہے۔ یعنی یہ بھی بصورت جمع مذکر سالم تو ہر جگہ بحذف الالف بعد الکاف (کفرون، کفرین) ہی لکھا جاتا ہے۔ اس صورت (جمع مذکر سالم کی) میں یہ لفظ قرآن کریم میں کل ۱۲۹ جگہ آیا ہے (جس میں زیرِ مطالعہ آیت کا لفظ بھی شامل ہے) اور ہر جگہ

---

[1] دیکھئے المقنع (للدانی) ص ۶۹، العقید (للشاطبی) ص ۸۷ اور لطائف البیان (شرح مورد الظمآن للخراز) ج ۲ : ص ۵۹

© rasailojaraid.com